

احسان الہی ظہیر

سفر حجاز

واقعات و مشاہدات

○

پاکستان میں انتخابی گنا گنھی ختم ہو چکی تھی اور ہم اپنے بستر کھول چکے تھے۔ طبیعت پر ایک بوجھ تھا اور اعصاب میں تناؤ، نہ جانے انتخابی فساد کی تھی یا ان دلوں کی تلک و دو کی تھکاوٹ۔ اور دن گزرتے گئے لیکن فساد کی اور تھکاوٹ میں کبھی کی بجائے اضافہ ہوتا گیا۔ اچانک ایک رات لیٹے لیٹے خیال آیا کہ اگر اس دفعہ حرمین کی زیارت نصیب ہو جائے تو سب کو فتنیں دور اور کلفتیں کا فور ہو جائیں۔ صبح ہوئی تو دل و دماغ یہ کہہ کر اور مدینہ منورہ کا تصور چھپایا ہوا تھا۔ ظاہری اسباب حوصلہ شکن اور ظروف و حالات روح فرساتھے لیکن جمع گاہی کی دعا سے ایک گونہ سکون اور اطمینان تھا کہ مسبب الاسباب حالات و اسباب کو درست فرما دے گا۔ یہ جنوری کی تین تاریخ تھی کہ میں نے درس قرآن کے بعد اسباب کو اس ارادہ سے باخبر کیا۔ درس کے ایک ساتھی اور دوست میرا کرم صاحب بھی تیار ہو گئے اور دوسرے دوست چوہدری صابر صاحب بھی، معلوم ہوا کہ اس سال ہر پاسپورٹ رکھنے والے کو اجازت ہے کہ پی فارم منظور کروا کے کرنسی حاصل کیے بغیر حج کے لیے چلا جائے، نہ جانے یہ کیا عجیب قانون ہے کہ ایک پاکستانی غیر ملک میں کرنسی تو نہیں لے جاسکتا خود جاسکتا ہے۔ بہر حال پی فارم کے لیے پاسپورٹ طلب کیے تو پتہ چلا کہ میرا کرم صاحب کا پاسپورٹ ہی نہیں، حضور یہ کیا، کہا پاسپورٹ آج بننے کے لیے دے دیتے ہیں۔ خدا کا شکر کہ ایک ہفتہ کے اندر پاسپورٹ نے تمام مراحل طے کر لیے۔ بارہ کو پی فارم کے لیے پاسپورٹ سٹیٹ بینک میں دیے تو معلوم ہوا، درخواست دہندگان کی کثرت کی وجہ سے حکومت نے بارہ سے نئے

پی فارم کا اجرا بند کر دیا ہے، لیکن شوق غالب رہا اور پابندی مطلوب، اور جب پاسپورٹ ملے تو معلوم ہوا کہ میرے پاسپورٹ پر کوئی خامی ہے جس کی وجہ سے میرا پی فارم منظور نہیں ہو سکتا۔ متعلقہ آفیسر سے ملے تو بعد دو تدرج کے وہ آمادہ ہوئے، اتنی دیر میں پی آئی اے نے مزید ٹیکٹیں دینی بند کر دیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی جگہ نہیں رہی۔ پندرہ جنوری سے لے کر بیس جنوری تک ہر اس ایئر لائن کو ٹیلیفون کر دیکھے اور ان کے دروازے پر دستک دے دیکھی جن کے جہاز جدہ جاتے تھے۔ لیکن کسی نے سیٹ نہ دی۔ اب شوق نے اضطراب کا رنگ اختیار کر لیا۔ ابھی تمام کام باقی تھے۔ ٹیکے۔ ہیلیکٹر ٹریفک ڈیزے اور دوسرے متعلقہ کام لیکن یہاں سیٹیں ہی نہیں مل رہیں۔ بیس جنوری بدھ کی شام کو جب مایوسی نے چاروں طرف سے ڈیرے ڈال دیے تو دونوں دوست میرے گھر آئے، چہرے افسوس سے ہوئے رنگ بدلے ہوئے اور آنکھوں میں آنسو لیے، اب کیا ہو گا؟ اللہ مالک ہے میں نے جواب دیا۔

لیکن اب تو کسی ایئر لائن کا دروازہ باقی نہیں رہا جس پر ہم دستک نہیں دے سکے۔ میں نے پھر مسکراتے ہوئے کہا کہ کوئی نہیں پھلے تمام واقعات سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ رب کریم ہمیں نرا دانا چاہتا ہے اب بھی کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ ابھی میں نے اپنے فقرے کو مکمل نہیں کیا تھا کہ باہر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دیکھا تو خلاف معمول شام کے چھٹ پٹے میں ”ترجمان الحدیث“ کے مینجیر مولانا عبدالصمد کھڑے ہیں۔ پوچھا آپ آج اس وقت کیسے؟ جواب دیا آپ کا ایک رجسٹرڈ لفاظہ آیا تھا۔ سوچا شاید ضروری ہو اسی وقت کے آؤں لفاظہ دیکھا تو اوپر رابطہ عالم اسلامی کی مہر لگی ہوئی تھی۔ تعجب ہوا کہ یہ کہاں سے اور کیسے آگیا۔ کانپتے ہاتھوں اسے چاک کیا تو آنکھوں میں شکر کے آنسو اور لبوں پر مسرت کا تبسم پھیل گیا۔ مکتوب رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل شیخ محمد سرور الصبان کی طرف سے تھا جس میں اسی سال حج کے موقع پر سعودی عرب کے حکمران شاہ فیصل کی طرف سے سہتیوں سمیت سعودی عرب کے دورے کی دعوت دی گئی تھی،

میں نے مسکراتے ہوئے میرا کرم صاحب اور چوہدری صابر کو حج کی مبارک باد دی، اور

انہیں بتلایا کہ شوق نے راہ کی تمام رکاوٹوں کو مچھاند اور مراحل کو طے کر لیا ہے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ میں اسی قہقہہ کراچی روانہ ہو جاؤں تاکہ وزرے اور سیٹوں کا بندہ بست کیا جاسکے۔ اسی وقت مال روڈ پی آئی اے آفس پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک گھنٹہ بعد طیارہ کراچی جانے والا ہے لیکن اس میں کوئی سیٹ نہیں۔ ایک جاننے والے نکل آئے اور انہوں نے کو ششش کر کے فرسٹ کلاس میں سیٹ لے دی۔ گھر آکر بیگ سنبھالا اور کراچی جمعیت اہل حدیث کے امیر جناب ڈاکٹر الٹی علوی صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع دے دی۔ پونے گیارہ بجے رات طیارہ جب کراچی ہوائی اڈے پر اترا تو کراچی بھیگی ہوئی تھی اور بڑے دروازے پر کراچی جمعیت اہل حدیث کے جواں بہت بوڑھے امیر ڈاکٹر علوی صاحب، مولانا عبدالغفور صاحب خطیب جامع اہل حدیث ہسٹم اور کئی ایک دوسرے دوستوں سمیت منتظر کھڑے تھے۔ گرم جوشی سے ملے اور میرے اصرار کے باوجود ہوٹل کی بجائے اپنی کوٹھی لے گئے اور اپنی پُراں معلومات اور دل چسپ باتوں سے رات گئے تک محفل کو سجاتے رکھا۔

صبح ہوتے ہی سعودی سفارت خانے کا رخ کیا۔ وہاں کراچی جمعیت کے مخلص کارکن مولانا عبدالسلام بریلوی کی معیت میں وزرے اور سیٹوں وغیرہ کا بندہ بست کیا۔ اتنی دیر میں مدینہ منورہ کے ایک دوست اور کراچی میڈیکل کالج کے آخری سال کے طالب علم جناب منصور نزہہ بھی میری آگے نکلنے لپٹے ایک اور ملکی دوست کے ساتھ کار لے کر آ گئے اور ڈاکٹر صاحب محترم اور میرا کرم صاحب کے ہنوی صادق بٹ صاحب کے اصرار کے باوجود اپنی غریب الوطنی کے ہوتے ہوئے روایتی عرب مہمان نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کراچی کے ایک بڑے ہوٹل میں کھانا کھلایا۔ بقیہ دن ادھر ادھر گھومتے گزرا، اور مغرب کو ڈاکٹر صاحب محترم پھر لاہور واپسی کے لیے ہوائی اڈے پر چھوڑنے کے لیے تشریف لائے۔

اکیس رات کو لاہور واپسی ہوئی۔ بانیس سے جانے کی تیاریاں شروع کیں تیاریاں کب تک ایک ایچی کیس اور چار جوڑے کپڑوں کے۔ اٹھائیس جنوری جمعرات کو پہلا بجے جہاز کی کراچی روانگی کا وقت تھا۔ بے شمار اجاب الوداعی دعاؤں سے رخصت کرنے کے لیے ہوائی اڈے پر موجود تھے اور اس دن پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ دوست کس قدر محبت

اور بیمار کے جذبات رکھتے ہیں۔ ۲۴ بجے کراچی پہنچے۔ ہوائی اڈے پر صادق بٹ صاحب اور ان کے دیگر عزیز رشتہ دار اور اصحاب موجود تھے اور ان کا اصرار تھا کہ ہم کراچی میں ایک دن ان کے ہاں ہی قیام کریں لیکن ہم نے انکے ہاں کھانے کی دعوت تو قبول کر لی، قیام کے لیے ہوٹل ہی مناسب خیال کیا۔ اور اب جو ہوٹل کی تلاش میں نکلے تو معلوم ہوا کہ کراچی کے کسی اچھے ہوٹل میں کوئی کمرہ خالی نہیں۔ حاجیوں کے بے حد ہجوم کی وجہ سے تمام اچھے ہوٹل پہلے ہی بھر چکے تھے۔ اب ہم تھے اور کراچی کی سڑکیں۔ پہلے ٹوٹیلیفون پر معلوم کرتے رہے۔ آخر مایوس ہو کر خود خوشنود مہجانی (کراچی کے ایک دوست) کی گاڑی میں سڑکیں ناپنا شروع کیں جہیں ہوٹل سے لے کر کانٹنی ٹیل تک چھان مارے، کوئی جگہ نہیں، بڑے پیسے کہ بڑے پھنسے۔ میرا کم صاحب کی ہمشیر گان (جو کراچی میں ہی اقامت گزیریں ہیں) کو پہلے انکار کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر علوی صاحب کے اصرار کے باوجود انہیں بھی معذرت کر دی اور ایک دو دوستوں کو بھی شکریہ سے ٹال دیا۔ اب جائیں تو کہاں جائیں۔ گھومتے گھماتے کلفٹن کے دیرانے میں ایک انگریزی ہوٹل کو لبس میں کامیابی کی صورت نظر آئی۔ تین آدمیوں کا کمرہ اور ایک رات کا کرایہ ۱۲۵ روپے بغیر کسی دوسری چیز کے، مرتے کیا نہ کرتے۔ کمرے کی ریزرویشن لا کر کر صادق بٹ صاحب کے گھر آئے۔ انتہائی پر تکلف کھانا کھایا اور سونے کے کپڑے لیے اور ہوٹل کی جانب چل دیے۔ جب ہوٹل پہنچے تو معلوم ہوا کہ مینیجر صاحب بہادر نے چند لمحے ہمارے انتظار کے بعد کمرہ کسی اور کو دے دیا ہے۔ بڑے سٹ پٹائے آخر ش اس کی سنت سماجیت پر معلوم ہوا کہ اوپر والی منزل میں ایک دو بستر اور ایک ایک بستر والا کمرہ موجود ہے۔ بڑے کمرے کا کرایہ ۱۲۵ اور چھوٹے کا ۷۵ روپے ہے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ کراچی میں شب بھری کتنی گراں اور مسکلی ہے، اچھے نظر اور عصر کی اکٹھی نمازیں پڑھ کر سوئے تو مغرب کی اذان کے وقت ہی آنکھ کھلی۔ ڈاکٹر الٹی علوی صاحب نے فون کیا۔ کراچی میں گھومنا پھرنے یا کوئی کام وغیرہ ہو گا اس لئے میں گاڑی بھجوا دیتا ہوں۔ ان کے اخلاص اور محبت کا شکریہ ادا کیا اور بتلایا کہ آج تو خوشنود صاحب سے پروگرام ملے ہے۔ آپ گاڑی صبح بھجوا دیجئے گا۔ اتنی دیر میں خوشنود صاحب آگئے

ان کے ساتھ رات گئے تاکہ کراچی کے مختلف دوست احباب کو ملتے رہے۔ واپس آئے تو ایک اور مصیبت منتظر تھی۔ مینجر صاحب فرمانے لگے کہ آپ کرایہ پیشگی دے دیں ہم نے کہا کہ یہ تو اصول کے خلاف ہے اور اس وقت ہم بیگ وغیرہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے۔ کیونکہ سامان ہم بٹ صاحب کے ہاں ہی چھوڑ آئے تھے۔ مینجر صاحب اڑ گئے۔ عجیب میں اس وقت ایک سو اور کچھ روپے تھے وہ انہیں دیے لیکن ان کا اصرار جاری رہا کہ پورا کرایہ انہیں پہلے ہی ادا کریں۔ غصہ تو بڑا آیا لیکن صبر کر کے پوچھا کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے تو معلوم ہوا کہ مینجر بے چارہ کچھ تو میرے ساتھیوں میر صاحب اب چوہدری صاحب کے ڈیل ڈول اور پنجابی جسم کو دیکھ کر ڈر گیا ہے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ ہم بے سامان مٹھرے ہوئے ہیں اور اسے کیا معلوم کہ ہم میر کے ہانے جائیں اور پھر واپس نہ آئیں۔ بڑی مشکل سے اسے سمجھایا بارے اسے یقین آیا۔ اب ایک اور مصیبت کھڑی تھی۔ رات کافی گزر جانے کی وجہ سے کچھ بھوک محسوس ہوئی۔ بہرے کو بلا کر آرڈر دیا۔ بہرے نے تب تک تمیل سے انکار کر دیا جب تک بل اسے پیشگی نہیں دیا جاتا عجیب میں جو کچھ تھا وہ پہلے مینجر کو دے چکے تھے اب دو ڈھائی روپے سے زیادہ پاس کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اس رات کو لمبے میں تین پناہ گزینوں نے دو روپے کے سوکھے آلو کھا کر اور پانی کے گلاس پی کر ہی گزارا کیا۔ صبح جبہ تھا۔ دن بھر کراچی کے قابل دید مقامات دیکھتے رہے۔ شام ہوئی ہوٹل سے احرام کے لیے غسل وغیرہ کیا۔ بلایا اور بٹ صاحب کے ہاں سے احرام کی چادریں باندھیں اور میر صاحب کے رشتہ داروں اور کراچی کے دوستوں کی معیت میں کراچی ایئر پورٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ ساڑھے سات بجے وہاں پہنچے، پورٹ پر ہر طرف لوگوں کا اثر دھام تھا۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ بے شمار لوگ احرام پہنے ادھر ادھر ٹھل رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ آج کئی کمپنیوں کے ہوائی جہاز جدہ جا رہے ہیں، جس کی وجہ سے اس قدر ہجوم ہے۔ ہم نے وہیں مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے ادا کی اور سعودی ایئر لائن کے کاؤنٹر پر پہنچے۔ ٹکٹیں پیش کیں تو جواب ملا اس جہاز پر آپ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، کیوں؟ اس لیے کہ جہاز میں سیٹیں کم ہیں اور لمبی سے مسافر

زیادہ آگئے ہیں۔ اس لیے پاکستان سے کم مسافروں کو اس فلائٹ سے بھیجا جائے گا۔ آپ دوسری فلائٹ کا انتظار کریں۔ دوسری فلائٹ کب چلے گی؟ تین فروری کو جواب ملا۔ اور اگر اس میں بھی جگہ نہ ہو تو ۹ جلدی سے میرا کرم نے سوال کیا۔ پھر ہم کیا کر سکتے ہیں جواب ملا اور یہ آخری پرواز تھی کیوں کہ پانچ کو حج تھا۔ افسوس ہماری قسمت ہی ایسی ہے، چودھری صابر نے بے ساختہ کہا۔

میں نے ساتھیوں کو اطمینان دلایا کہ گہرانے کی ضرورت نہیں۔ اوپر گیلری پر نگاہ لگتی تو دیکھا میر صاحب کی بہنوں نے رد رو کر برا حال کر لیا ہے۔ میں نے ان سے رونے کی بجائے دعا کرنے کو کہا اور خود منبر سے ملاقات کر کے اسے بتلایا کہ ہم اس طرح سعودی حکومت کی دعوت پر جا رہے ہیں۔ اس لیے ضرور کوئی بندوبست کیا جائے۔ ابھی یہ بات کر ہی رہا تھا کہ مسافروں اور ان کے ساتھیوں کے ایک بجوم نے سعودی ایر لائن کے کاؤنٹر پر ہل بول دیا۔ کاغذات پھاڑ دیے اور سیٹیں اٹھا کر لے گئے۔ یہ وہی لوگ تھے جن کی سیٹیں بک ہو چکی تھیں اور عین وقت پر انہیں اطلاع دی گئی کہ جہاز میں جگہ نہیں۔ ان مسافروں کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی۔ مجھے یہ رائیجی ہے کہ سعودی ایر لائن کی کراچی انتظامیہ نے کس طرح اس قدر غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا کہ پہلے سے اندازہ کیے بغیر اتنے مسافروں کو اس پرواز کے لیے ٹکٹ تو جاری کر دیے جبکہ جہاز بستی ہی سے بھر کر آ رہا تھا۔ بہر حال تین گھنٹے تک وہ بابا کارمچی کہ پناہ سجدا۔ انتظامیہ بے بس تھی کہ جہاز بہر حال جہاز ہے۔ اوسنی بس تو نہیں کہ دس مسافروں کو بٹھا کر اور بیس کو کھڑا کر کے پرواز کر جائے اور مسافر بھی حق بجانب تھے کہ احرام باندھ کر اور گھروں سے الوداع ہو کر آ چکے ہیں۔ اب واپس کیسے جائیں۔ آخر ایر پورٹ کی سیکورٹی فورس کو بلایا گیا اور ہنگامہ کچھ فرو ہوا۔ لیکن معاملہ جوں کا توں پیچیدہ تھا لوگ مصر تھے کہ جب تک انہیں سیٹیں نہیں ملتی تب تک وہ جہاز کو پرواز نہیں کرنے دیں گے۔ اسی ہنگامہ میں کاؤنٹر منبر میرے پاس آئے اور مجھے الگ لے جا کر کھٹے لگے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ بمبئی سے تین مسافر کم آئے ہیں اور جہاز میں تین سیٹیں خالی ہیں۔ آپ فوری طور پر اپنے سامان کو پچھلی جانب سے لے آئیں تاکہ آپ تو روانہ ہوں باقی ہم پھر دیکھ لیں

گئے۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی رحمت قدم قدم پر ساتھ رہی۔ بہنوں کو خبر دیا۔
 ان کے پڑ مرہ چہروں کی رونق لوٹ آئی اور ہم جہاز پر سوار ہو گئے، ایک دفعہ پھر
 جگہ لڑی۔ اعلان ہوا کہ سب مسافر اتر جائیں۔ معلوم کیا تو پتہ چلا کہ کسی نے خبر دی ہے کہ
 جہاز میں بم رکھ دیا گیا ہے اور گھنٹہ بھر کی مکمل تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ جانے والے مسافروں
 میں سے کسی نے ویسے ہی پریشان کرنے کے لیے ٹیلیفون کر دیا تھا۔ مگر نہ حقیقت کچھ نہ تھی
 آخر خدا خدا کر کے سوا آٹھ بجے روانہ ہونے والا جہاز رات ساڑھے گیارہ بجے کراچی
 پورٹ سے حرکت میں آیا۔ جہاز کے نفا میں بلند ہونے کے مقصد ہی دیر بعد ہی ہم نے احرام
 کی نیت کر کے تلبیہ پکارنا شروع کیا اور پورا جہاز جس میں تقریباً سبھی بیت الحرام کے مسافر
 تھے لبیک اللہ لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة للک والملك لا
 شریک لک کی خوشبو سے مہک گیا۔ رات کی تاریکی۔ فضا کی خشکی اور زمین سے ۲۲ ہزار فٹ کی
 بلندی۔ مسافر بیت الحرام کے اور لبوں پر نغمہ توحید پوری کائنات وجد کرتی نظر آئی۔
 ساڑھے تین بجے رات ہم سعودی عرب کے بین الاقوامی ہوائی اڈے ظہران میں اترے
 تھے۔ تمام مسافروں کو اپنے اپنے پاسپورٹ اور ہیلتھ سرٹیفکیٹ اور دستی سامان ہینڈ لیگ
 اور دو سرابٹکا سامان جو مسافر اپنے پاس ہی رکھتے ہیں، بے کیچے اترنے کو کہا گیا، نیچے اتر کر
 معلوم ہوا کہ یہاں پاسپورٹ، ہیلتھ سرٹیفکیٹ اور دستی سامان اس لیے چیک کیا جاتا ہے،
 تاکہ جدہ پورٹ پر جج کے ایام کا بے پناہ دباؤ کم کیا جاسکے۔ تقریباً ایک گھنٹہ پاسپورٹ
 اور ہیلتھ سرٹیفکیٹ چیک کرنے میں صرف ہوا کیونکہ ہم سے پہلے تین اور جہازوں
 کے مسافروں کی پڑتال ابھی باقی تھی۔ ہر ماں دماں سے فارغ ہو کر ہم کسٹم ہاؤس پہنچے
 ہم نے روانگی سے پہلے دوستوں کو تحفہ دینے کے لیے کچھ چلوغزے اور پاکستانی مسٹائیاں
 خرید کر ایک تھیلے میں بند کر لی تھیں اور تھیلے کو سی لیا تھا۔ کسٹم آفیسر نے تھیلے کو کھولنے
 کا حکم دیا۔ ہمیں اعتراض نہ تھا لیکن پھر تھیلے کو سینا ناممکن تھا اور آفیسر پاکستان کے
 جھنگ چرس کی شہرت کی بنا پر اسے بغیر کھولے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا آخر مجھے خیال
 آیا اور میں نے اسے رابطہ کادہ مکتوب دکھایا جس میں شاہ کے حکم پر یہیں سعودی عوب

آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ کسٹم آفیسر نے خط دیکھا اور اچانک ہی اس کے چہرے پر
 ندامت کے آثار نمودار ہوئے، مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتلایا کہ
 آپ سرکاری مہمان ہیں اور پھر بڑی گرجبوشی سے مصافحہ کیا اور دوڑ تک رخصت کرنے آیا
 وہاں سے ہم اپنا اسباب اٹھا کر انتظار گاہ میں آگئے۔ یہ انتظار گاہ اور ایئر پورٹ کی
 ساری عمارت پورے مشرق وسطیٰ میں خوبصورتی، فصاحت اور عمدگی میں اپنا جواب
 نہیں رکھتی۔ اس ہوائی اڈے کو دیکھ کر یہ یقین ہی نہیں آتا کہ ہم مشرق وسطیٰ کے کسی ملک
 میں نہیں۔ اسے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ سعودی عرب کس تیزی سے ترقی کی بلندیوں کی
 جانب رواں دواں ہے تقریباً دو گھنٹے یہاں ٹھہر کر جہاز جدہ کے لیے روانہ ہوا۔ جہاز
 میں ایک قابل ذکر تبدیلی یہ آئی کہ پہلے خدمت گار ٹاکیاں انگریز تھیں۔ اور نظران سے
 عرب عیسائی ٹاکیوں نے ان کی جگہ لے لی جو لبنان اور شام سے تعلق رکھتی تھیں۔ بہاروں
 میں یہ ایک عجیب روچل نکلی ہے کہ خدمت کے لیے ٹاکیوں کو منتخب کیا جاتا ہے حالانکہ
 یہ کام مردز یا درہنہ طریق سے انجام دے سکتے ہیں۔ بہر حال پانچ بجے کے قریب نظران
 سے روانہ ہو کر پاکستانی وقت کے مطابق سوا چھ بجے رات جہاز جدہ کے عظیم ترین
 رن وے پر دوڑ رہا تھا۔ منزل کو اس قدر قریب پا کر مسافروں کے اس غیر معمولی طویل
 سفر عام حالات میں کراچی سے جدہ تک سفر میں سوا تین گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔
 کی تمناں دور ہو چکی تھیں۔ جہاز رکتے ہی اونگھتے ہوئے مسافر سنبھل گئے اور تلبیہ و تحمید
 پکارنے لگے، سیرٹھی لگائی گئی اور مسافر نیچے اترنے لگے ابھی میں نے رن پر قدم رکھا
 ہی تھا کہ خالص عربی لباس عبادت میں طوبس تین آدمی آگے بڑھے۔ ہاتھوں میں کچھ
 کاغذات تھے۔ ان میں ایک نے جھپکتے ہوئے انگریزی میں پوچھا آپ احسان الہی طہیر
 کو نہیں؟ جی ہاں میں نے عربی میں جواب دیا۔ تپاک سے ملے مصافحہ کیا اور پھر
 مصافحہ۔ اور کہا کہ ہم رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں اور
 ساتھ ہی سیرٹھی سے لگی کمرٹی ایک بڑی شیور لیٹ ایسٹور گاڑی میں ہم کو بٹھادیا۔
 ان میں سے ایک تو ہمارے ساتھ ہی بیٹھ گئے اور دوسرے ہم سے پاسپورٹ اور سامان

کے کارڈ ٹیک اے کر چلے گئے اور کہ گئے کہ سامانی صبح ہوئی میں پہنچ جائے گا اور پھر بغیر کسی قسم کی تفتیش و تحقیق کے ہوائی اڈے کی عمارت میں داخل ہوئے۔ پھر دن دسہ سے ہی لے کر ہوٹل روانہ ہو گئے۔ فذق ایشیا جدہ کے فرسٹ کلاس ہوٹلوں میں سے ایک ہے۔ بارہ منزلہ خوبصورت عمارت اور شہر کی بارہوی شاہراہ۔ شارع ملک عبدالعزیز پر واقع۔ ہمارے لیے ساتویں منزل پر ایک خوبصورت آراستہ و پیراستہ کمرہ پہلے ہی گریز رد تھا۔ وضو کیا اور اذان فجر کے انتظار میں بیٹھ گئے کہ نماز پڑھ کر ہی سوئیں گے۔ میر صاحب اور جو ہر وی صاحب بڑے حیران تھے کہ آج رات ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی۔ میں نے انہیں بتلایا کہ مشرق سے مغرب کی جانب سفر کرتے ہوئے دن اور رات بڑھ جاتے اور مغرب سے مشرق کی طرف سفر کرتے ہوئے دن اور رات چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ پاکستانی وقت کے مطابق تقریباً ساڑھے آٹھ اور سعودی وقت کے مطابق تقریباً چھ بجے اور سبکی وقت کے مطابق تقریباً ساڑھے دس بجے صبح فجر کی اذان ہوئی۔ ہم نے ہوٹل ہی میں نماز فجر ادا کی۔ گھڑیاں سعودی ٹائم کے مطابق کر لیں اور لمبی سان کر سو گئے صبح گیارہ بجے رابطہ کے مندرجہ نامے آکر جگایا۔ بیدار ہو کر احرام کو سنبھالا۔ چادر دل کو درست کیا اور مندرجہ رابطہ کے ساتھ شہر کی سیر کو نکل گئے۔ جدہ میرا دیکھا بھالا شہر چار سال کے بعد پھر ایک دفعہ خوبی تقدیر اس شہر میں لے آئی۔ اس شہر کا کوئی کچھ کوئی گلی اور کوئی بازار ایسا نہیں جو مجھے نہ جانتے ہوں یا جنہیں میں نہ جانتا ہوں۔ وہی آشنا چہرے۔ وہی مانوس بولی ٹوٹی خیال تھا کہ چار سال بعد ابتدائی طور پر کچھ اجنبیت محسوس ہوگی لیکن جدہ پہنچ کر ایسا معلوم ہوا کہ یہاں سے کبھی گیا ہی نہیں۔ ہمیشہ سے یہیں ہوں۔ ہر چیز وہی۔ جدہ سے ایک خصوصی تعلق رہا ہے اس لیے کہ جدہ سعودی عرب کی بین الاقوامی پورٹ ہونے کے علاوہ مکہ اور مدینہ کی درمیانی منزل بھی ہے اور ہم وطن آتے اور مکہ مکرمہ جاتے ہوئے کئی کئی دن جدہ قیام — اور شہر گردی کیا کرتے تھے۔ جدہ ساحل سمندر پر واقع ہے اور آب و ہوا کے لحاظ سے بالکل کراچی کی مانند۔ وہی گرمی اور سردی اور ہوا میں نمی۔ یہ حجاز کا سب سے بڑا شہر اور سعودی عرب کا حقیقی دارالخلافہ ہے۔ اسکا اور سنا

ریاض کو دار الحکومت کہا جاتا ہے۔ لیکن تمام مزرکی سفارت خانے اور ایجنسیاں یہیں پر واقع ہیں اور بادشاہ بھی سال کا بیشتر حصہ یہیں گزارتے ہیں۔ جدہ بہت بڑی بندرگاہ بھی ہے لیکن اس کا سمندر اس قدر خوبصورت نہیں جس قدر کواچی کا سمندر اور ساحل خوبصورت ہے۔ اس شہر کا بیرونی علاقہ بالکل جدید طرز پر تعمیر شدہ ہے۔ ایسا ہی دکھائی دیتا ہے جیسے ہم مشرق کی بجائے مغرب کے کسی ملک میں ہیں۔ لیکن اندرون شہر بلند بالا بارہ بارہ چوہہ چوہہ منزلوں کے پہلو بہ پہلو ترکی دور کی تعمیر کردہ چھوٹی اینٹ کی عمارتیں بھی کافی تعداد میں قدامت اور دیرپا عمارتوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اگرچہ ان کو بھی تیزی سے گرا کر نئی بنیاد پر استوار کرنے کی کوششیں جاری ہیں پھر بھی سیاح کو پرانے آثار مل ہی جاتے ہیں جدہ میں اگر ایک چیز فوری طور پر محسوس ہوتی ہے کہ گویا فیکری نام کی کوئی چیز اس دنیا میں ہے ہی نہیں جدھر نگاہ اٹھتی ہے دولت کے انبار کے انبار لگے نظر آتے ہیں۔ دکانیں ہر قسم کی دکانیں مال دنیاں سے بھری ہوئی ہیں۔ سب لوگ کاروں میں گھومتے پھرتے ہیں کاریں اس قدر ہیں کہ کوئی اندازہ ہی نہیں۔ اکاڈین، مشیورلیٹ، اسپلاٹ، سرسیڈس، کیڈک، بیوک، رولز رائس، امپریل اور نہ جانے کس کس صورت اور رنگ، روپ کی کاریں۔ کاروں کا ایک سیلاب اٹھا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دیس میں کوئی شخص بھی کار کے بغیر نہیں اور پھر اس بے پناہ دولت کے باوجود ہر چہرے پر ایک اطمینان ہے اور ایک آسودگی۔ کسی کو لٹ جالے کا ڈر ہے نہ پٹ جانے کا۔ ہمنے بازاروں میں اس طرح سونے اور چاندی کے ڈھیر لگے دیکھے جس طرح ہارسے ہاں امرود اور مالٹوں کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں لیکن کوئی کسی کی طرف نگاہ اٹھا کے دیکھنے والا نہیں۔ قانون محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حکمرانی نے ہر شخص کو بے خوف بنا رکھا ہے۔ کسی کو کوئی دھمکانیں یہاں ایک سابقہ واقعہ کا ذکر ہے کہ ۱۹۳۳ء میں آخر میں جب پہلی مرتبہ سعودی عرب گیا تو وہاں کے اسن و اماں کے قہقہے سن رکھے تھے لیکن یقین نہ آتا تھا۔ عبداللہ صہباز نے اڑان لی اور لبہر میں اس کے اندر کوئی خرابی واقع ہو گئی۔ دیر تک اس کے نقص کو دور کیا جاتا رہا۔ آخر رات لگے جہاز ٹھیک ہوا اور نصف رات گزر چکی تھی کہ جہاز نے

جدہ ایئر پورٹ پر اپنے قدم ٹکائے۔ میرے پاس ٹریولنگ چیک تھے۔ میں نے پورٹ پر اترتے ہی پوچھا کہ چیک کہاں سے بھنائے جا سکیں گے۔ ایک تلی نے بتلایا۔ پورٹ کے باہر بئس میں چنجرز کی دکانیں ہیں۔ وہاں سے کرنسی تبدیل کی جا سکتی ہے۔ باہر آیا تو سڑک سنسن ہو چکی تھی۔ حج کے ایام نہ ہونے کی وجہ سے سڑک پر کوئی راہی چلتا نظر نہ آیا۔ اس جہاز کے مسافر ٹیکسی کارروں میں اپنی اپنی منزلوں کا رخ کر رہے تھے۔ اس تاریکی اور سناٹے میں مجھے ددرا ایک جگہ بلب کی روشنی نظر آئی۔ معلوم ہوا کہ وہی صراف (عربی میں چنجر کو صراف کہتے ہیں) کی دکان ہے۔ قریب پہنچا تو جہاں سونے چاندی اور سٹرک فک پڑوں اور امریکی ڈالروں اور ملک ملک کے سکوں کے ڈھیر سے آنکھیں — چکا چونہ ہو گئیں۔ میں تعجب اور حیرانگی اور خوف کے ملے جلے جذبات سے سردی کی ایک لہر بھی جسم میں رینگتی محسوس ہوئی۔ رات کی تاریکی پر ہول سٹلا اور تنہائی اور مال دولت کے انبار اور صرف ایک نحیف نزار بقول شغفسے مرلے مانک حق تھا اس الطبعان و سکون سے بیٹھا اونگھ رہا ہے جیسے اس کے سامنے روپے پیسے کے ڈھیر نہیں بلکہ ریوڑیاں اور مونگ پھلی پڑی ہے۔ مجھے قریب پا کر اور ہلکی باندھے دیکھ کر وہ چونک پڑا اور ٹوٹی پھوٹی اردو میں ہلایا بات ہے۔ میں نے عربی میں جواب دیا۔ بات تو کچھ نہیں۔ میں حیران ہو رہا تھا کہ سونے چاندی کے یہ انبار اور رات کی یہ تنہائی۔ دور و نزدیک کوئی نیکو ان اور پاسبان نظر نہیں آتا جب کہ ہمارے ہاں محفوظ عمارتوں میں واقع بنگلے گیسٹ بھی اس وقت تک نہیں کھلتے جب تک گنا بردار محافظ دروازہ پر نہ ڈٹ جائے باوجودیکہ روپیہ اندرونی کمروں کے محفوظ لاکر میں بند پڑا ہوتا ہے۔

وہ سکویا اور اس نے دھیرے سے جواب دیا۔ اجنبی جوان ہمیں نگہبازوں اور نیکو انوں کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے کہ اللہ کو نیکو ان ماننے کے لیے تیار نہیں مگر نہ جہاں قانون محمد رائج کر دیا جائے وہاں کا نگہبان خود خدا ہو جاتا ہے اور پھر ہم نے اپنے چار سالہ طویل دورِ اقامت میں اس کو خوب خوب آزمایا۔

بہر حال یہ سارا دن جدہ میں گزرا۔ دوپہر کا کھانا ہوٹل میں کھایا۔ میرے لیے تو کھانا کچھ

ایسا ناموس نہ تھا لیکن میرے ساتھیوں کے حلق سے اس عربی کھانے کا اتنا خاصہ شمار ہو رہا تھا

عصر کے بعد رابطہ عالم اسلامی کے ڈائریکٹر شیخ حسی سران — رابطہ کے سکریٹری جنرل کی طرف سے ہمیں خوش آمدید کہنے کے لیے ہوٹل میں تشریف لائے اور دیر تک مختلف عالمی اور اسلامی مسائل پر گفتگو کرتے رہے اور آخر میں سعودی عرب میں پورے عرصہ قیام کے دوران ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرنے کا یقین دلایا۔ اور رات جن گاڑی تھیں ایئر پورٹ سے — ہوٹل منتقل کیا تھا۔ اس کے ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ دوران قیام ہمارے ساتھ رہے۔

ہم نے ان کی تشریف آوری صمان فوازی پران کا شکریہ ادا کیا اور مکہ مکرمہ روانہ ہونے کی تیاریاں کرنے لگے۔

قاریینے ترجمان الحدیث کے لیے

خوش خبری

ترجمان کی مجلس شادرت کے رکن اور برصغیر کے شہوراد ممتاز اہل علم اور اہل قلم شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد عبدہ صاحب نے ترجمان الحدیث کے لیے مستظلاً ایک نئے اسلوب سے تفسیر قرآن لکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگلے شمارہ سے مولانا پر تفسیر ساجد میر صاحب ایم اے کے درس حدیث کے ساتھ ساتھ مولانا محمد عبدہ صاحب کا درس قرآن بھی ملاحظہ فرمائیے۔ (ادارہ)